صوفیانہ ادب کیلئے ایک منہاج تحقیق کی ضرورت

(ملفوظات اور تذکروں کے لطائف کے حوالہ سے)

پروفیسر ریاض الاسلام

یہ مضمون رسالہ فکرونظر کے اس شمارہ کیلئے لکھا گیا تھا جو مرحوم مولانا صباح الدین عبدالرحمن کی یاد میں شائع ہوا۔ لیکن مضمون بروقت تیار نہ ہونے کے باعث اس میں شامل نہ ہو سکا۔ اس مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مضمون کے آخر میں چند کلمات صوفیانہ مطالعات میں مولانا مرحوم کی خدمات کے بارے میں بھی شامل کر لئے گئے ہیں۔

مزید یہ کہ موجودہ مضمون ایک مبسوط مقالہ کا حصہ ہے جو زیر ترتیب ہے اسلئے یہاں موضوع سے اجمالی بحث کی گئی ہے اور وضاحتی مثالوں میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

صوفیانہ ادب میں لطیفہ کیا چیز ہے ؟ دراصل کسی بھی چیز کی اصطلاحی تعریف کرنا ایک مشکل کام ہے۔ لطیفہ کی تعریف کرنا بھی آسان نہیں ۔ خود صوفیانہ ادب میں یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں یہ اصطلاح جس معین اور محدود معنی میں استعمال کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ لطائف وہ باتیں ہیں جو صوفیہ کے ملفوظات میں یا ان کے تذکروں میں یا اصول تصوف کی کتابوں میں بطور سوانح ، شخصی واردات یا بطور قصہ بیان کی گئی ہیں۔ جہاں گفتگو یا بیان غیر شخصی رنگ اختیار کر لیتا ہے اور پیرایہ بیان خالص علمی ہو جاتا ہے تو پھر بات ,,لطیفہ،، کی حدود سے باہر نکل جاتی ہے۔

لطائفی ادب :۔

یہ مضمون صوفیانہ ادب کے ان لطائف پر مرکوز ہے جو اوپر دی ہوئی تعریف کے حدود میں آتے ھیں ۔ ملفوظات اور تذکروں میں خصوصاً اور اصول تصوف کی کتب میں عموماً لطائف کو ایک خاص اھمیت حاصل ہے۔ بعض ملفوظات کا بڑا حصہ لطائف پر ھی مشتمل ھوتا ہے ، مثلاً حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات فوائد الفواد اور ان کے خلیفہ اعظم شیخ نصیر الدین چراغ کے ملفوظ خیر المجالس ۔ بعض دیگر ملفوظات کی ترتیب علوم کی شاخوں کی مناسبت سے ھوئی ہے اور ان میں لطائف کا عنصر محدود ہے ، مثلاً مخدوم جہانیان جہاں گشت کے ملفوظات سراج الہدایہ ۔ تصوف کی اصولی کتابوں مثلاً کتاب التعرف (کلاباذی)، کتابِ اللمع (ابو نصر سراج) ، رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب (ھجویری) میں لطائف کثرت سے پائے جاتے ھیں ۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ صوفیانہ مطالعات کے فروغ کے باوجود لطائف کے خصوصی مطالعے پر کماحقہ توجہ نہیں دی گئی ہے۔ لطائف کی تاریخ پر غور کیا گیا ہے ، نہ ان کے سوابق اور لواحق پر ، نہ ان کی ھیئت ترکیبی پر ، اور تجزیہ کا عمل تو لطائفی ادب کو چھو کر بھی نہیں گیا ۔ جب صوفیانہ ادب کا ایک معتدبہ حصہ لطائف پر مبنی ہے تو لطائف کے ناقدانہ تجزیہ اور ایک منضبط منہاجِ تحقیق Methodology کے بغیر کس طرح حق مطالعہ ادا کیا جا سکتا ہے ؟ ۔

لطائفی ادب کے مسئلہ پر کئی زاویوں سے نظر ڈالی جا سکتی ہے۔ اس صنف کا آغاز خود ایک دلچسپ موضوع ہے۔ لطائف کی ماھیت پر نظر رکھتے ھوئے یہ گمان ھوتا ہے کہ کسی نہ کسی عنوان سے اسکا تعلق قصص کی روایت سے ہے۔ اسلامی مذھبی ادب میں انبیاء کے

قصص کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ لیکن یہ بھی ایک امر مسلمہ ہے کہ روایاتی قصص الانبیاء میں معتدبہ حصہ اس قبیل سے ہے جسے ,,اسرائیلات،، گردانا جاتا ہے اور جسے اب لائق اعتماد نہیں سمجھا جاتا ۔ مولانا حفظ الرحمن سیوهاروی نے اپنی کتاب قصص القرآن میں بار بار اس امر پر تاسف کیا ہے کہ بعض مفسرین نے ,,اسرائیلی خرافات،، اور ,, اسرائیلی هفوات،، کو قرآنی قصص کی تفسیر میں شامل کر لیا ہے (۱) ۔ بهرحال صوفیانہ لطائف اور روایاتی قصص الانبیاء کے روابط کا مسئلہ تحقیق طلب ہے اور یہ مختصر مضمون اس پہلو کا اجمالی احاطہ بھی کرنے سے قاصر ہے۔

لطائفی ادب مختلف الالوان عناصر کا مجموعہ ہے ۔ اس میں روحانیت اور حکمت کے هیرے جواهر بھی ملیں گے اور جلالی لطائف کے تیز دھاری پتھر بھی ، انفاق ، ایثار اور انسانی همدردی کے اعلی ترین نمونے بھی اور نفس کشی اور کنبہ گریزی کے قصے بھی ۔ لطف یہ ہے کہ صوفیوں کی همدردی صرف مسلمانوں اور صرف انسانوں تک محدود نہیں تھی ، ان میں جانوروں سے همدردی کے ایسے حیرت انگیز قصے ملتے هیں جن میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ بیمار جانوروں کی دیکھ بھال تمام عبادات اور زهدوورع سے بلند تر مقام رکھتی ہے۔ جہاں تک لطائف میں رشد و هدایات کے اسباق کا تعلق ہے تو صوفیانہ تعلیمات کا شاید هی کوئی پہلو هو جو لطائف میں کسی نہ کسی شکل میں پیش نہ کیا گیا هو۔

لطائف میں چند عناصر ایسے بھی هیں جن کا تواتر بھی زیادہ ہے اور انہیں علمی مقاصد کیلئے استعمال کرنے میں مزید حزم و احتیاط بھی ضروری ہے۔ ان میں پہلے تو کرامات اور خصوصاً تقابلی کرامات کے لطائف هیں ۔ تقابلی کرامات سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ شیخ یہ

کچھ کر سکتا ہے تو یہ شیخ اس سے زیادہ کر سکتا ہے ، اگر اُسکا چہرہ دیکھ کر جنت جانا یقینی ہو جاتا ہے تو اِسکی بستی سے صرف گزرنا ھی اس مقصد کیلئے کافی ہے۔ تقابلی کرامات کے ساتھ تعلی کی چاشنی آنا لازمی تھی۔

دوسرا عنصر شطحیات کا ہے۔ شطحیات وہ اقوال یا باتیں ھیں جو صوفی حضرات سکر اور جذب کی حالت میں کہہ گزرے ھیں۔ شطحیات گوئی میں بلند پایہ شیوخ بھی ھیں اور ان سے کم درجہ کے بزرگ بھی شامل ھیں۔ شطحیات میں صوفیوں نے کیا کچھ نہیں کہا۔ ان شطحیات کی توضیح بھی کی گئی ، اور ان توضیحات نے ایک نئی صنف کی شکل اختیار کر لی۔ لیکن ایسے اقوال بھی ھیں جن پر توضیح کی چادر چھوٹی پڑ جاتی ہے۔

غرض یہ کہ تقابلی کرامات ، تعلی ، شطحیات اور لطائف المجاز (یعنی عشق و محبت کے واقعات جو بسا اوقات توضیحی مثال کی طرح استعمال کئے گئے ھیں) نے لطائفی ادب کو مجموعی طور سے ایک ایسی صنف کا مواد بنا دیا ہے جس کو علمی سطح پر استعمال کرنے میں بڑی شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔

لطائفی ادب کی مقبولیت :

لطائفی ادب میں بڑی دلآویزی ھوتی ہے اور اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ھوئی ہے۔ اس کا سبب بیان کرنا مشکل نہیں۔ دلیل چاھے فقہی ھو یا اصول تصوف کی ھو، اس کا سمجھنا عام آدمی کے لئے محال ہے اور پڑھے لکھے لوگوں کی اکثریت کیلئے بھی کوئی آسان کام نہیں۔ لیکن اسی بات کو لطیفہ میں لپیٹ کر بیان کر دیجیئے تو اس کو ھر شخص دلچسپی سے سنے گا۔ عام لوگ اس کے سیدھے سادے معنی سمجھ جائیں گے اور خاص لوگ لطیفے کی معنویت پر

غور کریں گے ۔ صوفیہ کا واسطہ چونکہ ہر طبقے کے لوگوں سے ہوتا تھا اور بعض صوفیانہ سلسلے عوام سے قریبی رابطے رکھتے تھے ، اس لئے انھوں نے لطائف کو اپنی تعلیم اور تبلیغ کے ذریعے کے طور پر اختیار کیا اور ابلاغ کے وسیلہ کی حیثیت سے اس کی تاثیر کو درجہ کمال تک پہنچایا ۔ بعض اکابر صوفیہ نے لطیفہ بیان کرنے کا بڑا دلنشین پیرایہ وضع کیا ۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے لطائف جو ان کی ملفوظات فوائد الفواد میں دیئے گئے ہیں ان میں بڑی دلآویزی ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ان کی شخصیت کے جمال کے آئینہ دار ہیں ۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ اس عہد کے صوفیانہ ادب میں لطائفی عنصر کا فروغ ایک طرف مذہبی اور روحانی تقاضوں کی پیداوار تھا تو دوسری طرف لطائف نے تصوف کے ابلاغ کی ضرورت کو بھی باحسن وجوہ پورا کیا ۔

لطائف کی پرکھ :

اب مسئلہ یہ ہے کہ جب لطائف کا عنصر صوفیانہ ادب میں اتنا اہم ہے تو اسے کس طرح پرکھا جائے ۔ کیا تمام لطائف کو جو قابل اعتبار یا قریب الاعتبار ملفوظات میں پائے جاتے ہیں، صحیح مان لیا جائے ؟ کیا صحیح ماننے کے معنی یہ ہیں کہ ان لطائف کے مندرجات کو تاریخ میں گزرے ہوئے واقعہ کی طرح سمجھا جائے ؟ یا اس امر کا امکان ہے کہ بعض یا بہت سے لطائف کسی خاص نکتہ کو اجاگر کرنے کیلئے وضع کئے گئے ؟ مراد یہ ہے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ لطیفہ کی روایت صحیح ہے یعنی جن بزرگ سے منسوب ہے انھوں نے کم و بیش انہی الفاظ میں بیان کیا تھا جو ملفوظ یا تذکرہ میں دیئے گئے ہیں ، تو کیا یہ ضروری ہے کہ لطیفہ میں بیان کردہ واقعات کو اصلاً صحیح سمجھا جائے ؟ دراصل جس طرح تاریخی واقعات کے پرکھنے میں

اعتبار اور بے اعتباری کی کئی سطحیں آتی ھیں ، اسی طرح لطیفوں میں درجہ اعتبار متعین کرنا یا کم از کم متعین کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

لطائف اور مثالیہ :

یہ بات خاص طور سے توجہ اور تنقیح کے لائق ہے کہ کوئی لطیفہ PARABLE یا مثالیہ کے کتنا قریب ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں اس لفظ کے معنی یہ بتائے گئے ھیں ,, مفروضہ واقعات کا بیان، کسی اخلاقی یا روحانی بات کو بطور مثال سمجھانے کیلئے " ۔ اس معنی کے لحاظ سے مثالیہ میں بیان کردہ واقعات مفروضہ نوعیت کے ھوتے ھیں ۔ چیمبرز ڈکشنری میں دیئے ھوئے معنی کسی قدر مختلف ھیں : ,,کہانی یا قصہ جس میں بیان کردہ باتوں میں سے ھو سکتا ہے کچھ واقع بھی ھوئی ھوں، اور جو کسی عقیدے ، نظریے کو بطور مثال سمجھانے کیلئے یا کسی ڈیوٹی یا فریضہ کو واضح کرنے کیلئے بیان کیا جائے " ۔ اس دوسرے معنی میں یہ گنجائش ہے کہ PARABLE کا کچھ حصہ واقعتاً بھی صحیح ھو ، لیکن دونوں لغات میں زور مقصد پر ہے ، بیان کردہ قصہ کی صحت پر نہیں ۔ لطائف کی چند مثالوں سے زیر بحث نکتہ واضح ھو جائے گا ۔ رسالہ قشیریہ میں یہ لطیفہ درج ہے کہ ,, ایک شخص نے ایک لونڈی بطور تحفہ جبلہ ابن سحیم کے پاس بھیجی ۔ اس وقت وہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھا ھوا تھا ۔ اس نے کہا کہ یہ تو بہت بری بات ہے کہ تمہاری موجودگی میں اسے اپنے لئے لے لوں اور میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ کسی خاص ایک شخص کو دوں جبکہ تم میں سے ھر ایک کا حق اور احترام ہے ، مگر لونڈی تو تقسیم نہیں ھو سکتی ۔ وہ سب اسی آدمی تھے ۔ لہذا انھوں نے ھر ایک کو ایک ایک لونڈی بخش دی "(٢) ۔ یہ لطیفہ صوفیوں کے جود و سخا کے

باب میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر اسے واقعہ مان لیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ صوفی موصوف کے پاس اتنی باندیاں ہونے کا کیا جواز تھا۔ اور اگر الفاظ کے معنی کو کھینچ تان کرکے یہ سمجھا جائے کہ صوفی نے اسی کنیزیں خرید کر لانے کا حکم دیا تو یہ بات بجائے خود احسن نہیں اور سوال پیدا ہوگا کہ کہ صوفی کے پاس اتنے مال و دولت کا کیا کام؟ لیکن اگر اس لطیفہ کو مثالیہ PARABLE گردانا جائے تو پھر اس میں جو مبالغہ کا عنصر ہے وہ صحیح پیمانے پر آ جاتا ہے، اس لئے کہ مثالیہ میں مبالغہ کی گنجائش ہوتی ہے۔PARABLE میں یہ بھی گنجائش ہوتی ہے کہ کوئی انوکھی بات کہی جائے جو جالب توجہ ہو مثلاً رسالہ قشیریہ ھی میں بیان ہے کہ ,, ایک شخص نے ایک عورت سے رشتہ کیا۔ قبل اس کے کہ وہ اس کے گھر آئے اسے چیچک ہو گئی اور ایک آنکھ جاتی رہی۔ مرد نے جب یہ سنا تو اس نے بھی کہا میری آنکھ میں درد ہے، پھر کہا کہ میں نابینا ہو گیا پھر وہ عورت اس کے گھر آگئی اور بیس سال اس کے گھر رہی، پھر مر گئی، تب اس شخص نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ لوگوں نے کہا یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا میں نے (دانستہ) اپنے آپ کو اندھا بنا لیا تھا تاکہ اس عورت کو میری طرف سے کوئی فکر نہ ہو۔ لوگوں نے کہا کہ تو تو جوانمردی میں سب پر سبقت لے گیا،، (۳)۔

یہ لطیفہ بھی ایثار کے مثالیہ کے طور سے سمجھا جا سکتا ہے اسے اصل واقعہ ماننے سے اشکال پیدا ہوگا۔

ایسے لطائف بے شمار ھیں جو بیّن طور پر مثالیہ ھیں۔ مثالیہ کی ایک اچھی مثال حسب ذیل ہے۔ سیر محمدی جو خواجہ گیسودرازؒ کے ,,احوال و افعال واقوال،، پر مشتمل ہے اور خواجہ کی وفات کے صرف پانچ سال بعد مرتب ہوئی، اس میں درج ہے کہ وہ جامع مسجد دھلی

کے سامنے سے گزر رھے تھے تو انھوں نے ایک شخص کو دیکھا جو قے کر رہا تھا اور اس کے منہ سے بگنی (شراب) اور گوشت کے تکے نکل کر باھر آ رھے تھے اور ایک خارش زدہ کتا اسے کھا رہا تھا اور جو لوگ وھاں سے گزر رھے تھے وہ اس شخص پر لعن طعن کر رھے تھے۔ حضرت مخدوم کو اس شخص کی پیشانی پر نعمت کے آثار نظر آئے، وہ جب وھاں سے چلا تو آپ اس کے پیچھے ہو لئے۔ وہ شخص ایک حوض پر گیا اور اس نے وضو کیا اور دیر تک مضمضہ (غرارہ) کرتا رھا، پھر اس نے دوگانہ ادا کیا۔ حضرت بندگی مخدوم نے اسے بڑی سخت قسم دیکر پوچھا کہ تم کون ھو۔ اس نے ناچار ھو کر بتایا کہ میں ابدال ھوں میرا نام رکن الدین ہے۔ میں یہاں سے ہزار کوس دور ایک جگہ پر تھا، مجھے حکم ملا کہ جامع مسجد دھلی کے دروازہ پر ایک خارش زدہ کتا ہے جو کمزوری کے باعث چل پھر نہیں سکتا۔ تم وھاں جاؤ بگنی اور گوشت خریدو اور کھاؤ اور پھر اس کتے کو کھلاؤ (۴)۔

خواجہ گیسودراز کا ھی بیان کیا ھوا ایک اور لطیفہ جوامع الکلم (مخطوطہ برٹش میوزیم) میں دیا ھوا ہے جس کی تفصیلات بڑی دلچسپ ھیں اس کا اجمال یہ ہے کہ خدا نے ایک زاھد کو خبردار کیا کہ وہ شہر پر آگ کا عذاب نازل کرنے والا ہے اور تمام شہر میں صرف ایک گھر محفوظ رھے گا اور وہ ایک فاحشہ عورت کا ہے۔ زاھد نے اس فاحشہ کے گھر جاکر پناہ لی۔ بعد میں یہ راز کھلا کہ اس شہر میں ایک خارش زدہ کتا تھا۔ جسے ھر شخص دھتکار کر بھگا دیتا تھا۔ صرف اس عورت نے اس کی خبر گیری کی تھی، تمام اھل شہر جل کر خاک ھو گئے اور زاھد بھی اپنے زھد کے باوجود صرف اس طرح بچ سکا کہ رات فاحشہ کے سایہ حفاظت میں گزاری (۵)۔

یہ دونوں لطیفے واضح طور پر مثالیہ ھیں اور ان کا پیغام یہ ہے کہ خدا کی کمین ترین مخلوق بھی ھمدردی اور رحم کی مستحق ہے۔ دوسرے لطیفہ میں تاکید مزید اس پر ہے کہ اس ھمدردی کے بغیر عمر بھر کا زھد بے سود ھو سکتا ہے اور یہ ھمدردی ھو تو عمر بھر کا عصیاں بھی قابل معافی ہے۔ پہلے لطیفہ میں یہ پیام بھی لپٹا ھوا ہے کہ بندہ کو اپنے رزق کیلئے خدا پر بھروسا کرنا چاھیئے جو مریل کتے کیلئے بھی ھزاروں میل دور سے کسی کو بھیج کر انتظام کر سکتا ہے۔

اس نوع کے لطیفے تصوف کی اصولی کتب اور تذکرہ و ملفوظ میں پائے جاتے ھیں اور ان کا مقصد ظاھر ہے۔ یہاں یہ وضاحت بے محل نہ ھوگی کہ مذھبی کتب میں مثالیہ PARABLE کی ھمیشہ بڑی اھمیت رھی ہے، اور اکثر الہامی کتب مثلاً عہد نامہ ھائے عتیق و جدید میں اسے اخلاقی سبق اور مذھبی ھدایات کے ابلاغ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اس سیاق و سباق میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ صوفیانہ ادب میں بہت سے لطائف کو بطور واقعہ بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ابدال رکن الدین سے ملاقات اور گفتگو کی جزئیات اس کی شاھد ھیں کہ انھیں بطور امر واقعہ پیش کیا گیا

ایک اور پرکھ :

کسی لطیفہ کی اھمیت اور اعتبار کو جانچنے کیلئے ایک اور پرکھ یہ ہے کہ آیا اس نوع کے لطیفے پہلے بھی آ چکے ھیں ؟ تلاش کیا جائے تو ایسے لطائف خاصی تعداد میں ملیں گے جن سے ملتے جلتے لطیفے پیش رفتہ مآخذ میں موجود ھیں۔ اس کی سب سے دلچسپ اور نمایاں مثال حسب ذیل ہے۔ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ شقیق بلخی نے جعفر بن محمد الصادق سے فتوت کے بارے میں معلوم کیا۔ انھوں نے شقیق سے کہا پہلے تم بتاؤ، شقیق نے کہا اگر (دینے والا) دیتا ہے تو ھم

شکر کرتے ھیں ، نہیں دیتا تو صبر کرتے ھیں۔ جعفر نے کہا کہ ھمارے یہاں مدینہ کے کُتے بھی یہی کرتے ھیں۔ شقیق نے دریافت کیا کہ اے ابن رسول پھر فتوت کیا ہے ؟ انھوں نے فرمایا ,, اگر دیتے ھیں تو ایثار کر دیتے ھیں، نہیں دیتے تو صبر کرتے ھیں ،، (٦) ۔ پھر شیخ الاسلام خواجه عبداللہ انصاری ھروی نے طبقات صوفیه میں بیان کیا ہے که شقیق بن ابراھیم بلخی نے ایک وقت ابراھیم ادھم سے کہا که آپ معاش کس طرح کرتے ھیں ، انھوں نے کہا که جب مل جاتا ہے تو خدا کا شکر کرتے ھیں اور نہیں ملتا تو صبر کرتے ھیں، شقیق نے کہا که خراساں کے کتے بھی ایسا ھی کرتے ھیں وغیرہ وغیرہ (٧) ۔ ابو حامد غزالی کی احیاء العلوم جلد چہارم میں بھی ابراھیم بن ادھم اور شقیق بلخی کی گفتگو قدرے مختلف پیرایه میں دی ہے لیکن زیادہ اھم فرق یه که ,, بلخ کے کتے ،، والا فقرہ یہاں ابراھیم ادھم کہتے ھیں (٨)۔ پھر عوارف المعارف میں ہے که اسی قسم کا جواب ایک نوجوان صوفی نے بایزید بسطامی کو دے کر انھیں لاجواب کر دیا تھا (٩)۔

یه ایک ھی لطیفے کی چار شکلیں ھیں۔ بنیادی بات ایک ھی ہے لیکن افراد بدلتے جاتے ھیں ۔ احیاء العلوم اور طبقات الصوفیه میں افراد ایک ھی ھیں لیکن ان کے رول برعکس ھیں ۔ گفتگو کا لب لباب یه ہے که مل جائے تو شکر کرنا ورنه صبر کرنا تو معمولی درجه کی بات ہے، صوفی کو اس سے کچھ زیادہ کرنا چاھیئے۔ صوفیوں کے اوصاف میں یه لطیفه ایثار کے ماتحت جگه پائے گا ۔

ایک ھی قصه کی چار مختلف شکلیں دیکھ کر خیال ھوتا ہے که ان میں سے ایک اصل ھوگا اور بقیه تین اس کی بدلی ھوئی شکلیں ھوں گی ۔ یعنی اصل واقعه کو صحیح مان لیا جائے تو باقی تین روایتیں وضعی ھیں ۔ یه امکان بھی خارج از بحث نہیں سمجھنا

چاهیئے که اس نوع کا اصل لطیفه ان چار لطائف سے پہلے موجود هو! اور کوئی متجسس اسکالر جلد یا دیر میں اس کا کھوج لگا لے ۔ پھر یه چاروں لطائف وضعی هو جائیں گے ۔ اس کا بھی امکان ہے که اس نوع کے اولین لطیفه میں صرف اتنی بات کہی گئی هو که قوت لا یموت ملنے پر شکر اور نه ملنے پر صبر عام درجه کی بات ہے یعنی ناکافی ہے لیکن لطیفه نگار نے بات میں تیکھا پن پیدا کرنے کیلئے کتوں کی مثال کا اضافه کر دیا هو ۔ اگر یه آخری گمان صحیح هو تو اس کے معنی یه هوں گے که لطیفه نگار نے ایک روایت کو ایک مثالیه PARABLE میں تبدیل کر دیا ۔

مماثل لطائف کی ایک اور بہت اچھی مثال ,,شیرو گلاب،، والے لطیفے هیں ۔ اس عنوان کا پہلا لطیفه جہاں تک میرے علم میں ہے سب سے پہلے شیخ عبدالحق دهلوی کی کتاب اخبار الاخیار میں ملتا ہے جس کا رائج متن ۹۲ ـ ۱۵۹۱/ ۱۰۰۰ کے چند سالوں کے اندر مرتب هوا (۱۰) ۔ بیان ہے که شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی ملتانیؒ جب ملتان میں مستقل قیام کیلئے آئے تو شیوخ ملتان کو ان سے حسد پیدا هوا اور انہوں نے بطور کنایت دودھ سے بھرا پیاله شیخ کی خدمت میں بھیجا، مراد یه تھی که شہر میں کسی اور کی گنجائش نہیں ۔ شیخ یه بات سمجھ گئے اور انہوں نے دودھ کے پیاله پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا، مراد یه تھی اس شہر میں اس طرح رهوں گا جیسے دودھ کے پیاله پر پھول تیرتا ہے ۔ مشائخ ملتان اس ادا کی لطافت سے حیراں رہ گئے اور شیخ کے مطیع هو گئے ۔ اخبار الاخیار بڑی تلاش و تحقیق کے بعد لکھی گئی ہے اور اس کا عام انداز سنجیده ہے اور یه لطیفه لطافت سے خالی بھی نہیں ۔ طبع سلیم اسے تسلیم کر سکتی ہے ۔ اس کے ماننے میں اگر تامل هوتا ہے تو اس لئے که

یہ بات شیخ کے وصال (قریب ۱۲٦۷ء) کے قریب سوا تین سو سال بعد ضبط تحریر میں آتی ہے، اور اس کا استسناد بھی نامعلوم ہے۔ مزید براں فضل اللہ جمالی جو اصلاً سہروردی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود شیخ کے آثار کی تلاش میں ملتان گئے تھے ، انھوں نے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا ۔

اب اس لطیفہ کی دوسری شکل دیکھئے ۔ الہ دیا چشتی نے خواجہ شمس الدین ترکؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ اپنے مرشد کے حکم کے مطابق پانی پت پہنچے تو انھوں نے وہاں کے بزرگ شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ کو اپنے ملازم کے ہاتھ دودھ سے بھرا پیالہ سلام کے ساتھ بھجوایا ۔ قلندر صاحب یہ دیکھ کر مسکرائے اور انھوں نے گلاب کا پھول جو سامنے رکھا تھا دودھ پر ڈال دیا اور پیالہ سلام کے ساتھ واپس بھجوا دیا ۔ جب یہ پیالہ واپس پہنچا تو خواجہ صاحب بھی اسے دیکھ کر مسکرائے ۔ حاضرین نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میری جانب سے پیالہ شیر بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ ملک (یعنی علاقہ) مجھے میرے مرشد نے عطا کیا ہے اور یہ میری ولایت سے معمور (یعنی پُر) ہو گیا ہے، اور برادرم قلندر نے جو پھول ڈال کر پیالہ واپس کیا تو اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ انھیں میری ولایت سے کوئی تعلق نہیں اور وہ گل کی مانند اس شہر میں رہیں گے ۔ پھر لوگوں نے قلندر صاحب سے پوچھا تو انھوں نے بھی یہی معنی بتائے (۱۲) ۔ سیر الاقطاب کا یہ لطیفہ مبینہ وقوع کے قریب تین سو سال بعد تحریر میں آیا ۔ الہ دیا چشتی نے اس کا مآخذ تو نہیں بتایا لیکن وہ پانی پت کے خاندان شیوخ سے اپنا رشتہ بتاتا ہے اور گمان ہوتا ہے کہ اگر یہ لطیفہ اس کی اپنی ایجاد نہیں تھا تو اس نے اس کی روایت اپنے خاندان والوں سے سنی ہوگی ۔ یہ بات تو بہرحال

ظاہر ہے کہ یہ ملتان سے متعلق لطیفہ کا ھی چربہ ہے۔ اس دوسری شکل میں شیر اور گلاب کی ترسیل میں ترتیب بدل کر لطیفہ کو ایک نئی شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ لطیفہ کی یہ دوسری روایت ناقدانہ نظر رکھنے والوں کو مطمئن نہیں کر سکتی ۔ اب لطف کی بات یہ ہے کہ مولانا صباح الدین عبدالرحمن مرحوم نے اپنی کتاب بزم صوفیہ میں ملتان والے لطیفہ کا ذکر تو نہیں کیا لیکن پانی پت والے کا کیا ہے (۱۳) ۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شیر و گلاب کے پہلے لطیفہ کے صحیح ہونے کا امکان ہے اگرچہ اس کا استناد ضعیف ہے اور دوسرا لطیفہ ساقط الاعتبار معلوم ھوتا ہے۔

ایک اور نوع کے لطیفے جو ملفوظات اور تذکروں میں بڑے تواتر سے نظر آتے ھیں ان کی جانب ایک اجمالی اشارہ کافی ہے۔ رسالہ قشیریہ میں بیان ہے کہ ابراھیم ادھم کو ایک وقت کشتی میں بیٹھنا تھا جس کا کرایہ ایک دینار تھا، اور ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا ۔ انھوں نے دو رکعت نماز ادا کی اور خدا سے کہا کہ مجھ سے رقم مانگ رھے ھیں جو میرے پاس نہیں ۔ آن واحد میں تمام ریت دینار کے ڈھیر میں بدل گئی (۱۴) ۔ رسالہ قشیریہ سے پہلے ایک ایسا ھی لطیفہ کتاب اللمع میں ابو الحسین بصری کے حوالہ سے ایک سیاہ فام فقیر کے بارے میں آتا ہے (۱۵) ۔ اس قسم کے ,,دریائے زر ،، والے لطائف شیخ نظام الدین اولیاء (۱٦) اور بہت سے دیگر شیوخ کے بارے میں بیان کئے گئے ھیں ۔ دراصل ان لطائف کا ایک بڑا واضح مقصد تھا اور وہ یہ کہ عوام، امراء ، حکام، غرض سب کو متنبہ کیا جائے کہ شیخ ان کی رقوم کے محتاج نہیں، ان کیلئے زمین اور آسمان کے خزانے کھلے ھوئے ھیں (یہ الفاظ ایک لطیفہ کی عبارت سے لئے گئے ھیں) اور کوئی شخص

اگر کوئی چیز پیشکش کے لئے لاتا ہے تو اس سے شیخ کی امداد نہیں ہوتی بلکہ دینے والے کی اپنی بھلائی ہوتی ہے۔ ان لطائف کا تواتر ھی ان کا اعتبار کھونے کیلئے کافی ہے۔

لطائف کی زمرہ بندی :

صوفیانہ لطائف کی اھمیت اور معنویت کو پوری طرح سمجھنے اور اعتبار کو پرکھنے کے کام مین ایک طریقہ جو بے حد مفید اور موثر ثابت ھو سکتا ہے وہ لطائف کی زمرہ بندی (اور بعض صورتوں میں ذیلی زمرہ بندی) کا ہے۔ اس طریقہ کار کو اب تک نظر انداز کیا گیا ہے۔ سائمن ڈگبی نے اپنے مضمون Qalandars and Related Groups میں قلندروں کے بارے میں لطائف کے چھ زمرے قائم کئے ھیں (۱۷) ۔ یہ زمرہ بندی ایک رھنما کوشش کی حیثیت سے اھم ہے لیکن لطائف کی صرف ایک نوع سے مربوط ہے۔ بطور مجموعی صوفیانہ لطائف کیلئے زیادہ وسیع بنیادوں پر زمرہ بندی درکار ھوگی ۔ یہ بات بھی ظاھر ہے کہ ایک اسکالر کی وضع کردہ زمرہ بندی دوسرے اسکالر کی زمرہ بندی سے مختلف ھو سکتی ہے۔ ھر اسکالر اس کام کو اپنے نقطہ نظر، موضوع تحقیق اور مقاصد کار کے لحاظ سے ترتیب دے گا ۔ البتہ اس کا امکان ضرور ہے کہ لطائف کی زمرہ بندی کے کام میں کماحقـہ پیشرفت کے بعد وہ مرحلہ آ جائے جب ایک بنیادی زمرہ بندی قائم ھو جائے جس میں ھر اسکالر اپنے کام کی نوعیت کے اعتبار سے ضروری ردوبدل کر سکے ۔

تصوف پر تحقیق کرنے والے علماء نے بالعموم ھر لطیفہ کو ایک وحدانیہ سمجھ کر استعمال کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ھر لطیفہ کو تاریخی شہادت کی طرح مان لیا جائے تو تصوف کی عجیب و غریب تاریخ مرتب ھوگی ۔ زمرہ بندی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ بجائے

اس کے کہ ہر لطیفہ کو ایک جداگانہ اکائی کی طرح رکھا اور پرکھا جائے ، اسے انہی نوع کے لطائف کے ساتھ رکھ کر اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور اس کے اعتبار کا درجہ متعین کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح دو باتیں تو فوراً سامنے آ سکتی ھیں ـ اول یہ کہ لطیفہ نگار کے پیشروؤں نے اس لطیفہ کو کس طرح اور کس مقصد کیلئے پیش کیا اور لطیفہ میں کون سا پیام لپٹا ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ زیر مطالعہ لطیفہ نگار نے لطیفہ کہاں سے لیا ہے ، اس میں کتنا تصرف کیا ہے ، اور کس مقصد کیلئے مختلف طور سے استعمال کیا ہے اور اس کا پایہ اعتبار کیا ہے ـ

یہ بات بھی زیادہ وضاحت طلب نہیں کہ مختلف بنیادوں پر مختلف زمرہ بندیاں مرتب ھو سکتی ھیں ، مثلاً ایک عام زمرہ بندی اس بنیاد پر ھو سکتی ہے کہ لطائف میں تاریخیت کتنی ہے ، یعنی کون سے لطائف خالص یا بڑی حد تک تاریخی ھیں ، کون سے ایسے ھیں جن میں تاریخی اور غیر تاریخی عناصر خلط ھیں ، اور کون سے ایسے ھیں جو محض مثالیہ PARABLE ھیں ـ ایک زمرہ بندی موضوعاتی ھو سکتی ہے یعنی موضوعات کی اپنی اھمیت کے لحاظ سے زمروں کی فہرست قائم کرکے ان کے ماتحت لطائف کی صف بندی کی جائے مثلاً فقر کے لطائف ، ورع کے لطائف ، حج کے بارے میں لطائف ، فتوح کے لطائف وغیرہ وغیرہ ـ ایک محدود لیکن دلچسپ زمرہ بندی ایسی ھو سکتی ہے جو علامتی نشانات کے ماتحت ھو ، جیسے ,,شیر و گلاب کے لطائف ، ,,دریائے زر ،، کے لطائف یا ,,لطائف المجاز ،، جن کا ذکر بعد میں آئے گا ـ

راقم الحروف کی توجہ فی الوقت صوفیانہ سلسلوں کی تعلیمات اور معاشرہ اور معاش پر ان کے اثرات پر مرکوز ہے۔ اس نقطہ نظر سے میں نے جو زمرہ بندی کی ہے۔ اس کے کچھ عنوانات حسب ذیل ھیں۔

۱ ـ انفاق ، ایثار اور خیرات (داد و دهش) اور فیاضانه مہمانداری کے وصف میں لطائف ـ
۲ ـ فتوحات کے رد و قبول کے بارے میں
۳ ـ فتوحات کی تقسیم اور استعمال کے بارے میں ـ
۴ ـ شیخ کے یا دیگر شیوخ کے جلالی انداز کے لطائف
۵ ـ شیخ کے یا دیگر شیوخ کے جمالی انداز کے لطائف ، یعنی تلطف ، مہربانی ، عفو، رحم کے قصے ـ
٦ ـ خوابوں کی تعبیر کے قصے ـ
۷ ـ ایسے لطائف جن میں گنہه گاروں پر رحمت خداوندی کے نزول کا اور زهاد کی رحمت و نعمت سے محرومی کا ذکر ہے ـ
۸ ـ کرامات کے لطائف ، خصوصاً ,,دریائے زر » والے قصے ـ کرامات کی کئی ذیلی زمرہ بندیاں ممکن هیں ـ
۹ ـ فقر کے لطائف اور ان میں خصوصاً فاقے کے لطائف ـ
۱۰ ـ اهل وعیال کی ذمه داری پوری کرنے کے لطائف (انکی تعداد زیاده نہیں)
۱۱ ـ اهل و عیال سے بے اعتنائی کے قصے (ان کی تعداد بہت زیاده ہے)
۱۲ ـ توکل، فقر، زهد، تجرد، ازدواج اور کسب کے بارے میں لطائف
۱۳ ـ لطائف المجاز : حسن و عشق کے لطائف ، بیشتر عشق حقیقی کے مسائل سمجھانے کیلئے ـ
۱۴ ـ مرشد اور مرید کے روابط اور طریقه تربیت کے لطیفے ـ
۱۵ ـ قلندروں سے ، مردان غیب سے ، علماء سے ، مجذوبوں سے ، غلاموں سے ، اور جوگیوں سے روابط کے قصے ـ
۱٦ ـ تعلی آمیز لطائف ـ یوں توانکسار اور نفس کشی تصوف کے اولین اوصاف میں هیں پهر بهی صوفیانه لطائف تعلی سے یکسر خالی نہیں ـ (۱۷ ـ الف) ـ

۱۷ ـ دوسرے شیوخ سے یا جوگیوں وغیرہ سے مسابقت کے قصے ـ
۱۸ ـ یکبارگی موت واقع ہونے کے قصے ـ
۱۹ ـ لطائف جن سے معاشی یا سماجی حالات پر روشنی پڑتی ہے ـ
۲۰ ـ لطائف جن میں تاریخی مواد ہے یا نظام حکومت پر روشنی پڑتی ہے ـ
۲۱ ـ کتابوں اور کتابی علم کے خلاف اور عقل و فلسفہ کے خلاف لطائف ـ
۲۲ ـ علم کے حق میں لطائف (ان کی تعداد نمبر ۲۱ کے لطیفوں سے کم ہے) ـ

ان زمروں کے ذیلی زمرے بھی قائم کئے جا سکتے ہیں مثلاً گنہگاروں پر نزول رحمت کے مختلف اسباب قائم کئے جا سکتے ہیں ، جن میں ایک سبب کسی انسان یا جانور سے رحم کا برتاؤ ہو سکتا ہے ـ کرامات کے ذیل میں بہت سے عنوان قائم کئے جا سکتے ہیں مثلاً دست غیب ، دریائے زر ، علم غیب یا پیشگی علم ، مسیحائی ، ھدم وغیرہ وغیرہ ـ غلاموں کے تعلق سے کئی ذیلی زمرے قائم کئے جا سکتے ہیں مثلاً غلاموں کے ساتھ برتاؤ ، غلاموں کو آزاد کرنا ، غلاموں کی کمائی پر جینا، بھاگے ہوئے غلاموں کی بازیابی ـ یہ ذیلی مدیں صرف مثال کیلئے دی گئی ہیں کہ کسطرح ایک ہی مد سے کئی مدیں نکل سکتی ہیں ـ

جلالی لطیفے ـ جلالی نوعیت کے لطیفوں کی شیوخ کے ملفوظات اور تذکروں میں کوئی کمی نہیں ـ کسی بزرگ کے حالات میں ان کا عنصر زیادہ ہے اور کسی میں کم ـ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ بزرگ جو محبت شفقت اور رافت کا نمونہ تھے ان کے یہاں بھی جلالی لطیفے ناپید نہیں ـ ایک دو مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی

ہے۔ خیر المجالس میں شیخ نظام الدین اولیا کی زبانی یہ لطیفہ بیان کیا گیا ہے کہ شیخ فرید کی خدمت میں ایک درویش حاضر ہوا۔ شیخ نے اسے کوئی چیز دلوادی اور اس سے واپس جانے کیلئے کہا۔ وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ شیخ وہ کنگھا مجھے دیدے۔ شیخ خاموش رہے۔ درویش نے پھر وہی بات کہی۔ شیخ اب بھی خاموش رہے۔ تیسری بار درویش نے آواز اونچی کر کے کہا کہ شیخ کنگھا دے تو تجھے برکت ہو گی۔ شیخ نے کہا کہ وہ برکت میں نے تیرے لئے پانی میں روانہ کر دی۔ وہ درویش وہاں سے جانے کے بعد بستی کے نزدیک ایک جگہ پانی میں غسل کرنے کیلئے اترا۔ پانی پایاب تھا لیکن اس شخص کا پھر کچھ پتہ نہ چلا (۱۸)۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ حال کے ایک مورخ نے شیخ فرید پر اپنی تصنیف میں اس لطیفہ کو اس نکتہ پر ختم کر دیا ہے جب شیخ نے کہا ,,آں برکت ترا در آب رواں کردیم " اور درویش کے انجام کا ذکر صرف نظر کر دیا جس سے لطیفہ کی جلالی شان واضح ہوتی (۱۹)۔ خیر المجالس میں ہی بابا فرید کا ایک اور جلالی لطیفہ درج ہے جس میں شیخ کے لڑکوں کی شکایت پر اجودھن کے متصرف کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا (۲۰)۔ خیر المجالس کے مولف نے فردوسی سلسلہ کے شیخ عماد کے دو نوجوان لڑکوں کے جمنا میں ڈوب جانے کو شیخ نظام الدین اولیاء کی کرامات سے منسوب کیا ہے۔ ان نوجوانوں نے قبلاً شیخ کے بارے میں بےادبانہ الفاظ ادا کئے تھے۔ (۲۱)

جلالی لطائف کی بھی ذیلی زمرہ بندی کی جا سکتی ہے جس سے ایک نوعیت کے جلالی لطیفوں کی صنف بندی سے ان کے تناظرِ ماقبل پر روشنی پڑ سکتی ہے اور اس طرف بھی رہنمائی ہو سکتی ہے کہ کون سا لطیفہ کہاں سے لیا گیا ہے۔ شیخ کے جلال کے نتیجے میں

معتوبین کے پیٹ میں درد ، سردرد، بینائی کے زوال ، اور اسی قبیل کی زحمت کے لطائف چشتی اور سہروردی بزرگوں کے حالات میں بھی دیکھنے میں آتے ھیں ۔ بالکل ایک جیسے لطائف مختلف بزرگوں کے حالات میں ملیں تو یہ واضح اشارہ ہے کہ لطائف نگار کی کوشش تھی کہ اس کے ممدوح پیر کا پلڑا اس کمال میں نیچے نہ رہ جائے ۔ اس بات سے تو شاید زیر تحریر مضمون کے ناقد بھی متفق ھوں گے کہ جلالی لطیفوں کا درجہ اعتبار کچھ کم ھو جائے تو تاریخ تصوف کے حق میں بہتر ھی ھوگا ۔ لیکن خیر المجالس میں بیان کردہ جلالی لطائف کی صحت کو تو غالباً تسلیم کرنا ھی پڑے گا ۔

لطائف حسن و عشق ۔ صوفیانہ ادب میں عشق مجاز کے قصوں کی چاشنی وافر مقدار میں موجود ہے۔ بلکہ بعض اوقات خیال ھوتا ہے کہ اس قبیل کے قصوں کا تناسب توقع سے کہیں زیادہ ہے ۔ کچھ قصے تو اس قسم کے ھیں جو عشق و محبت الٰہی کے نکات کو عشق مجازی کی مثال دیکر نوآموز سالکین کو سمجھانے کیلئے بیان کئے گئے ھیں ۔ پھر بعض قصے حضرات صوفیہ کے واردات مجاز کے بارے میں اور بعض غیر صوفیہ لوگوں کے بارے میں ھیں ۔

صوفیانہ ادب میں لطائف الجمال کو جمع کیا جائے تو خاصی تعداد ھو جائے گی ۔ یہاں نہ ان کا حال پھیلا کر بیان کرنا مقصود ہے اور نہ بات کو طول دینا ۔ البتہ غور کرنے والے اسکالر کے ذھن میں ایک دو باتیں ضرور کھٹکیں گی ۔ ایک تو یہی کہ صوفیانہ لطائف میں مجازی عشق کے قصوں کا اتنا مواد کیوں ہے۔ کیا ان کے بغیر بات کو سمجھانا بالکل ناممکن تھا ؟ اس آخری سوال کا جواب تو یہ ھو سکتا ہے کہ محبت چونکہ بشری زندگی میں ایک آفاقی جذبہ ہے ، ھر شخص اس سے واقف ہے اور تھوڑا بہت تجربہ رکھتا ہے ، اسلئے

عشق الٰہی کے معاملات و مقامات کو سمجھانے کا کام مجاز کے حوالہ سے کچھ آسان تر ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس تمام مسئلہ پر علم نفسیات کا ماہر نظر ڈالے تو عین ممکن ہے کہ اسے کوئی ایسا پہلو نظر آئے جو تاریخ کے طالب علموں کی نظر سے پوشیدہ ہے۔

آخر میں قارئین کی دلچسپی اور تفہیم کیلئے اس قبیل کے دو لطیفے بیان کئے جاتے ہیں ۔ اولیاء کی موت کا ذکر کرتے ہوئے شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ ,,موت کے وقت اولیاء کی حالت وہی ہوتی ہے کہ جیسے کوئی شخص بستر میں سو رہا ہو اور اسکا معشوق اسکے بستر میں آ جائے اور اس آدمی کی آنکھ کھل جائے اور وہ معشوق کو اپنے بستر میں دیکھے جسکی اسے ایک عمر سے طلب تھی تو تم جانتے ہو کہ اسے کیا خوشی اور فرحت حاصل ہو گی"(۲۲)۔ اس لطیفہ میں خوبی یہ ہے کہ اسکے سنانے کی توجیہ اور مقصد آخری جملہ میں موجود ہے۔ موت کے بعد واصل بہ حق ہونے کی لذت برحساب کی توقع کو ایک ایسی مثال سے سمجھایا گیا جسے لوگ سمجھ سکتے ہیں (,,دانی او را چہ شادی و فرحت آید") ۔

دوسرا لطیفہ رسالہ قشیریہ سے لیا گیا ہے۔ ,,یحیی بن معاد فرماتے ہیں جو شخص نااهل لوگوں میں اپنی محبت کا ذکر کرے وہ اپنی محبت میں جھوٹا ہے ۔ کہتے ہیں کہ ایک مرد نے کسی سے اپنی دوستی کا دعوی کیا ۔ اس جو ان نے اس مرد سے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ، میرا بھائی مجھ سے بہتر اور زیادہ حسین ہے ۔ اس شخص نے سر موڑ کر (اسکے بھائی کی طرف) دیکھا اسلئے کہ اسوقت وہ دونوں (بھائی) چھت پر تھے ۔ اس جوان نے اس مرد کو چھت سے (نیچے) پھینک دیا اور کہا کہ جو کوئی بھی مجھ سے دوستی کا دعوی کرے اور دوسرے پر نظر ڈالے اسکی سزا یہی ہے"(۲۳)

فوری موت کے قصے فوری موت کوئی انہونی بات نہیں۔ آج کل بھی ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ کسی غیرمعمولی صدمہ (اور بعض اوقات غیر معمولی اور غیر متوقع خوشی) کے باعث موت واقع ہو جاتی ہے۔ صوفیوں پر جو شدید روحانی اضطراب کی کیفیت طاری ہوتی رہتی تھی وہ جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی۔ شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے وصال کا واقعہ معروف ہے۔ قوالی کے دوران قوال سے یہ شعر سن کر ان کی حالت غیر ہو گئی۔

کشتگان خنجر تسلیم را
هر زماں از غیب جان دیگر است

تین روز کے مسلسل اضطراب کے بعد ان کا وصال ہوگیا۔ اس شعر کے معانی میں فنا اور بقاء کے مضمون کو جس خوبصورتی سے سمو دیا گیا ہے، اُسے الفاظ کے حسن اور شعر کی غنائی تاثیر نے دوبالا کر دیا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ چھوٹی بحر کا یہ شعر ان کیلئے نشتر کا کام کر گیا۔ اس واقعہ کو قبول کرنے میں اسلئے بھی تکلف نہیں ہوتا کہ شیخ نظام الدین اولیا کے ملفوظات فوائد الفواد میں اسکا ذکر ہے (۲۴) اور مزید یہ کہ شیخ کاکی کا انتقال فوری طور سے واقع نہیں ہوا بلکہ تین روز کی اضطرابی کیفیت کے بعد ہوا۔ لیکن جب ہم گلزار ابرار میں پڑھتے ہیں کہ نہر والہ کے سید احمد حامد نے جوش و خروش کی کیفیت میں قوالوں سے وہی غزل گانے کی فرمائش کی اور جب قوال اس شعر پر پہنچے (کشتگان خنجر الخ) تو اضطرابی کیفیت بڑھ گئی اور آذان سن کر نماز کیلئے کھڑے ہو گئے اور سجدہ میں جا کر ابدی وصال حاصل کر لیا (۲۵)، تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آیا حضرت کاکی کے واقعہ کا چربہ تو نہیں ؟

فوری موت کا ایک عجیب و غریب واقعہ جسکا جہانگیر بادشاہ خود عینی گواہ تھا ملاعلی مہر کن کا ہے۔ اسکا حال جہانگیر نے خود اپنی تزک میں لکھا ہے (۲۶) اور اس کے بیان پر شبہ کرنے کا کوئی سبب نہیں ۔ مختصراً واقعہ اسطرح ہے کہ شاہی محفل میں قوال قوالی گا رہے تھے جسمیں ٹیپ کا بند یہ مشہور شعر تھا جسکا پہلا مصرع شیخ نظام الدین اولیاء سے منسوب ہے اور دوسرا امیر خسرو سے:

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گا ہے۔

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلا ہے

جہانگیر نے دوسرے مصرع کے معنی پوچھے۔ ملا علی نے اس شعر سے منسوب واقعہ بیان کیا اور جب دوسرا مصرع پڑھا تو پڑھتے ہی گر گئے اور جاں جان آفریں کے سپرد کر دی ۔ حضرت کاکی اور ملا علی کے واقعات کی صداقت پر شبہ کرنے کا کوئی سبب نہیں،لیکن صوفیہ کے لطائف میں فوری موت کے واقعات کی جو کثرت ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ بات لطیفہ کی تاثیر بڑھانے کیلئے تو استعمال نہیں کی گئی ۔ اس قبیل کے سب واقعات اگر ناقابل یقین نہیں تو سب لائق یقین بھی نہیں ۔

لطائف کا استناد اور اعتبار۔ کتاب اللمع ، طبقات الصوفیہ (ابو عبدالرحمـن سـلمی) اور رسالہ قشیریہ میں بہت سے لطائف کی سند بلکہ سلسلہ اسناد بھی دیا گیا ہے جس سے اس حد تک اطمینان ہو جاتا ہے کہ جو بات لکھی گئی وہ کسی نہ کسی معروف ذریعہ سے مولف تک پہنچی ہے۔ اس سے یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ بیان کیا ہوا واقعہ بالذات صحیح ہے ، لیکن صحت عدم صحت کے بارے میں کم از کم مولف کی ذمہ داری کم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ابو عبدالرحمن سلمی کے رسـالـہ ,,ملامتیـان و صوفیـان و

جوانمرداں، کے فاضل مصحح ڈاکٹر ابو العلا عفیفی نے یہ رائے بڑی مضبوطی سے ظاہر کی ہے کہ حدیث کے معاملہ میں سلمی شائستہ اعتبار نہیں اور انھوں نے صوفیہ کے مقاصد کی تائید میں حدیثیں وضع کی ھیں (۲۷)۔ لازماً یہ سوال پیدا ھوتا ہے کہ اگر حدیث کے معاملہ میں اس پایہ کے مصنفین نے یہ رویہ اختیار کیا ہے تو پھر خود صوفیہ کی روایات میں کس حد تک احتیاط برتی ھو گی۔ اس امر کے پیش نظر سائمن ڈگبی نے خانقاھوں کے حوالے سے جو اختراعی فضا (inventive atmosphere) کا ذکر کیا ہے وہ بعید از قیاس نہیں معلوم ھوتا۔

جنوبی ایشیا کے حوالہ سے شیخ نظام الدین اولیا کی ملفوظ فوائد الفواد مرتبہ حسن دھلوی اور کسی درجہ کم پر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دھلی کی ملفوظ مرتبہ حمید قلندر کو تمام ملفوظات میں سب سے مستند سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں ملفوظات کی تحریر میں بڑی احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور سلطان المشائخ اور چراغ دھلی نے اپنی اپنی ملفوظات پر نظرثانی کی اور چراغ دھلی نے وہ حصے قلمزد کر دیئے جن میں ان کی غلو آمیز مدح تھی یا ان کی کرامات کا ذکر تھا۔ ان تمام احتیاط کے باوجود ان دونوں میں فوق العادت واقعات کا معتدبہ مواد ملتا ہے۔ امیر خورد کرمانی کی سیر الاولیا میں یہ مواد کچھ اور بھی زیادہ ہے۔ فوائد الفواد اور خیر المجالس میں جو واقعات سلطان المشائخ اور چراغ دھلی کے اپنے اپنے مشاھدہ کے حوالہ سے لکھے گئے ھیں ان میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ، لیکن ایسے واقعات جو براہ راست مشاھدہ پر مبنی ھوں ان کا تناسب کم ہے اور بیشتر لطائف و واقعات دوسروں کے حوالے سے بیان کئے گئے ھیں۔

شیخ شرف الدین منیری کے ملفوظات میں لطائف کا عنصر کم ہے اور مجموعی طور سے انکی ملفوظات کا پایہ اعتبار بلند ہے۔ مخدوم جہانیاں جہانگشت کی ملفوظات میں مختلف الالوان لطائف ملتے ھیں اور مزید براں الحاقی مواد کا بڑا ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ سراج الھدایہ کے فاضل مصحح قاضی سجاد حسین صاحب نے تلاش و تجسس کے بعد ثابت کیا ہے کہ سراج الھدایہ میں دوسروں کی تصنیف کے رسالے کے رسالے نقل ھیں اور جو حدیثیں بیان کی گئی ھیں وہ بیشتر موضوعی ھیں (۲۸)۔ لیکن مخدوم کی دوسری ملفوظ ، جامع العلوم ، زیادہ وقیع اور لطائف سے بھی پر ہے۔

ملفوظات کی صحت اور درجہ اعتبار کے بارے میں کچھ ذکر مضمون کے اختتامیہ میں آئے گا۔

حرف انتباہ ۔ کچھ انواع کے لطائف اور قصوں کی طرف سے محقق کو خصوصاً ھوشیار رھنا ضروری ہے۔ ان میں سے اولاً تو ایسے لطیفے ھیں جنھیں مہتمم بالشان الفاظ میں ڈھالا گیا ہے۔ اسکالر کو اسکا امکان ملحوظ رکھنا چاھئیے کہ ایسے الفاظ برمحل نہیں کہے گئے بلکہ انکی تراش خراش میں ایک ھنرمند لطیفہ نگار کا بھی حصہ ہے۔ یہی معاملہ ایسے لطائف کا ہے جن میں عناصر کا توازن قائم کر کے اور نوک پلک سنوار کے انھیں منصۂ شہود پر جلوہ گر کیا گیا ہے۔ ایسے لطیفوں کی مثالیں ھر دور کے ملفوظات اور تذکروں میں ملتی ھیں۔

اس نوع کی ایک مثال رسالۂ قشیریہ میں ملتی ہے جو حسب ذیل ہے ,,ایک صوفی کا قول ہے کہ تیس سال میری یہ حالت رھی کہ میری زبان جو کچھ سنتی دل کی طرف سے سنتی ، اسکے بعد تیس سال ایسے گزرے کہ دل جو کچھ سنتا زبان کی طرف سے سنتا ۔ ،، (۲۹) اسمیں جس طرح دو باتوں کو متوازن کیا گیا ہے اس میں آورد کی

کیفیت نظر آتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ بعض اشخاص میں یہ غیر معمولی مادہ ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہیں وہ یادگار ہو جائے ، پھر بھی محقق کیلئے سلامتی اسی میں ہے کہ ایسے بیانات سے ہوشیار رہے ۔ قشیری ہی میں ایک عظیم صوفی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے ,,میں بارہ سال تک نفس کا لوہار رہا اور پانچ سال تک اپنے دل کا آئینہ رہا اور ایک سال آئینہ میں دیکھتا رہا ، میں نے دیکھا کہ میری کمر پر ظاہری زنار ہے ، میں نے بارہ سال اس زنار کو کاٹنے میں لگائے پھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ زنار میرے باطن میں ہے ۔ پانچ سال اس کوشش میں لگے کہ اسے کسی طرح سے کاٹوں۔ پھر تمام معاملہ کشف کے ذریعہ ظاہر ہو گیا ۔ میں نے مخلوق کی طرف دیکھا تو انہیں مردہ پایا ۔ لہٰذا میں نے مخلوق پر (جنازہ کی) چار تکبیریں کہیں (یعنی انہیں خیرباد کہا) ،، (۳۰)۔ ان لطائف میں تعلی کا عنصر بھی نمایاں ہے ۔

یہی کیفیت برجستہ جواب کی یا برجستہ کہے گئے الفاظ کی ہے۔ سیر الاولیاء میں شیخ نظام الدین اولیاء سے یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ جب انہیں علاء الدین خلجی کا یہ پیام ملا کہ وہ جماعت خانہ میں حاضر ہونا چاہتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ,,میرے گھر کے دو دروازے ہیں ، سلطان ایک سے داخل ہوگا تو میں دوسرے سے باہر چلا جاؤں گا ،، (۳۱)۔ اس قول کے تیور ایسے تھے کہ اسکا مشہور ہو جانا لازمی تھا ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ امیر خورد کرمانی کی اختراع ہے۔ ہم عصر مورخ ضیاء الدین برنی جو خود شیخ کا مرید تھا اور شیخ کے حلقہ کی نمایاں شخصیتوں میں سے تھا ، سلطان علاء الدین خلجی کی بدنصیبی پر رونا روتا ہے کہ شہر میں اتنا بڑا بزرگ موجود ہے اور سلطان کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اس بزرگ کی خدمت میں

حاضر ہو (٣٢)۔ یہی بیان تاریخی ہے۔ لیکن دو دروازوں والی بات پُرلطف تھی اسلئے اس نے قبولیت پائی ، حتی کہ شیخ عبدالحق محدث دھلوی جیسے محتاط تذکرہ نگار نے بھی اسے اخبار الاخیار میں شامل کیا ہے۔ (٣٣)

حرف آخر۔ اوپر دی ہوئی بحث میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ صوفیانہ لطائف کے ادب کو بغیر تنقیہ ، تنقید اور تجزیہ کے استعمال کرنے میں کیسی غلطیوں کا امکان ہے اور ان غلطیوں سے بچنے کیلئے کیا کیا تدابیر کی جا سکتی ھیں ان میں سب سے موثر تدبیر لطائف کی زمرہ بندی اور ذیلی زمرہ بندی ہے۔ زمرہ بندی کے فوائد میں اھم ترین یہ ہے کہ اگلے پچھلے مماثل لطائف کا تقابلی مطالعہ کر کے لطیفہ کی قدامت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ اس نے بعد میں کیا کیا شکلیں اختیار کیں ، اسطرح لطیفہ کا درجہ اعتبار قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ مزید یہ کہ بعض انداز کے لطائف کو پرکھنے میں بڑی ہوشیازی اور استعمال میں احتیاط مزید کی ضرورت ہے۔ ان لطائف میں ایک تو وہ ھیں جو ازقسم مثالیہ PARABLE ھیں اور دوسرے وہ جو مہتمم بالشان معلوم ہوتے ھیں۔

اختتامیہ۔ یہ مضمون اصلاً اِس رسالہ کے اُس شمارہ میں شائع ہونے کیلئے لکھا گیا تھا جو مرحوم مولانا صباح الدین عبدالرحمن سے منسوب تھا۔ اس مناسبت کے پیش نظر مولانا کی نگارشات پر تبصرہ و تحسین کے چند جملے بے محل نہ ہوں گے۔ یہ اجمالی تبصرہ اس مضمون کے بعض پہلوؤں سے بھی مربوط ہے۔

راقم الحروف کی نظر میں صوفیانہ مطالعے کے سلسلہ میں مولانا مرحوم کا سب سے اھم کارنامہ ان کا وہ مضمون ہے جو انھوں نے بزم صوفیہ کے آخر میں بطور ضمیمہ کے دیا ہے اور جس کا عنوان

,,ملفوظات خواجگان چشت ،، ہے (۳۴) ۔ مرحوم پروفیسر محمد حبیب نے اب سے کوئی اڑتیس سال پہلے ایک بڑے اهم اور تاریخ ساز مضمون (۳۵) میں قدیم چشتی ملفوظات کو جعلی قرار دیا تھا ۔ ان میں منجمله دوسری ملفوظات کے شیخ عثمان هرونی ، شیخ معین الدین اجمیری شیخ قطب الدین بختیار کاکی اور شیخ فرید شکر گنج کی ملفوظات جو علی الترتیب ان کے خلفائے اعاظم سے منسوب تھیں ، شامل هیں ۔ ان کتابوں پر پروفیسر صاحب مرحوم نے یه اعتراض کئے که ان میں بے سروپا باتیں هیں ، کرامات کی بھرمار ہے اور صاحب ملفوظ سے ایسی باتیں منسوب کی گئی هیں ، جو ناقابل تصور هیں که انھوں نے کہی هوں ۔ مولانا صباح الدین عبدالرحمن مرحوم نے اپنے مضمون میں اسی قسم کے اعتراضات ان ملفوظات پر وارد کئے هیں جنھیں عموماً معتبر سمجھا جاتا ہے ، خصوصاً فوائد الفواد اور خیر المجالس پر ۔ مولانا نے ان کا تنقیه کر کے بالتفصیل بتایا ہے که ان میں بھی اسی قسم کی بے سروپا اور محیر العقول باتیں هیں جن کی بناء پر قدیم ملفوظات کو بے اعتبار قرار دیا گیا ہے ۔ شیخ نصیرالدین چراغ کی ملفوظات خیر المجالس (مرتبه حمید قلندر) کے بارے میں مولانا مرحوم نے نشاندهی کی ہے که سید محمد گیسو دراز کے بیان کے مطابق جب خیرالمجالس کا ایک جزو صاحب ملفوظ کو دکھایا گیا تو انھوں نے فرمایا که ,,من چیز ے دیگر گفته ام ، مولانا حمید الدین چیزے دیگرنبشته است ،، اور یه کهه کر وه جزو باهر پھینک دیا ۔

مولانا نے فوائد الفواد اور خیر المجالس کی جو تنقید کی ہے اس سے صرف ایک بات نکل کر آتی ہے اور وه یه که ان مآخذ کو حزم و احتیاط سے استعمال کرنا چاهئے اور یه موقف عالمانه ہے ، معاندانه نہیں ۔ یه وه بنیادی بلکه ابتدائی احتیاط ہے جو تاریخ کے هر طالب

علم کو چاھے وہ کسی درجہ کا ھو ھر تاریخی مآخذ کے بارے میں برتنا پڑتی ہے چاھے وہ کسی نوعیت کا ھو۔ صوفیانہ ادب میں مثالیات کرامات شطحیات اور اختراعی مواد کے شامل ھونے کے باعث احتیاط مزید کی ضرورت ہے۔

پروفیسر حبیب نے قدیم چشتی ملفوظات کی تنقید کے سلسلے میں ایک بڑی پتے کی بات کہی ہے کہ ,,تاریخی زمانہ کے بارے میں کوئی کرامات نہیں ھو سکتیں " ۔ ان ملفوظات قدیم میں چونکہ ایسے اشخاص کو جن کے زمانوں میں ایک صدی ، دو صدی اور تین صدی کا فرق ہے یکجا اور ھم کلام دکھلایا گیا ہے ، اس لئے اس اصول کے مطابق یہ ملفوظات لائق اعتبار نہیں۔اس میں شک نہیں کہ جس ملفوظ پر یہ اعتراض حتمی ہے اور کسی غلط فہمی پر مبنی نہیں ہے ، وہ درجۂ اعتبار سے ساقط ھو جائے گا ۔ دراصل ضرورت اس بات کی ہے کہ اس معیار کو مرکزی موضوع بنا کر سارے صوفیانہ ادب کی چھان بین کی جائے ۔ کشف المحجوب میں جو تصوف کی معتبر ترین کتابوں میں ہے بایزید (وفات ۲٦۱ / ۸۷۵ ۔ ۸۷٦) کو ایک پختہ عمر کا انسان دکھایا گیا ہے جنھوں نے شقیق بلخی (وفات ۸۰۹/۱۹۴ ۔ ۸۱۰) کو اسطرح کا مشورہ بلکہ ھدایت بھیجی جیسا کہ بزرگ اپنے سے خام تر لوگوں کو بھیجتے ھیں (۳٦) ۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ شقیق بلخی کی وفات بایزید کی وفات سے ٦۷ سال پہلے واقع ھوئی تھی ۔ خود خیر المجالس میں رابعہ بصری (وفات ۸۰۱ م) اور خواجہ حسن بصری (وفات ۷۲۸ م) کو ھم کلام دکھایا گیا ہے اگرچہ دونوں کی تاریخ ھائے وفات میں قریب پون صدی کا فرق ہے اور موضوع گفتگو بھی ایسا ہے کہ اسکا یہاں نظر انداز کرنا ھی بہتر ہے (۳۷) ۔ جوامع الکلم اس سے بھی ایک قدم آگے ہے ، اسلئے کہ اس

میں خواجہ حسن بصری، رابعہ بصری، ابراہیم ادھم (وفات ۱۶۶>> یا ۹۰>) اور ذوالنون مصری (وفات ۸۵۹م) کو یکجا دکھایا گیا ہے(۳۸) حالانکہ اول الذکر اور آخر الذکر کے سال ہائے وفات میں ۱۳۱ سال کا فرق ہے۔ اسی طرح جامع العلوم میں مخدوم جہانیاں جہانگشت سے روایت ہے کہ منصور حلاج (مقتول ۳۰۹ / ۹۲۲) کے قتل کا فتوی قاضی ابو یوسف (وفات ۱۸۲/۹۸>) نے دیا تھا (۳۹)۔ یہ بات بھی سالوں کے تفاوت کے باعث ناممکن الوقوع ہے۔

یہ مثالیں ایسی ہیں جو اتفاقاً نظر پڑ گئیں۔ تلاش کی جائے تو اس قسم کی غلطیاں کم و بیش ان تمام ملفوظات تذکروں اور اصول تصوف کی کتب میں ملیں گی جو مقابلتاً زیادہ معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ اور یہی مرحوم مولانا صباح عبدالرحمن کے محولہ بالا مقالہ کا اصل سبق کہا جا سکتا ہے کہ کسی ملفوظاتی مآخذ کو مستند نہیں فرض کر لینا چاہئیے اور قدیم چشتی ملفوظ کی طرح دیگر ملفوظات کو بھی تنقید کی خورد بین کے نیچے رکھ کر جانچنا ضروری ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی۔ قصص القرآن۔ ناشر محمد سعید اینڈ سنز۔ کراچی سال ندارد (طبع چہارم) ۔ ج ۔ ۱ ۔ ص ۹ ، ۵۰ ، ج ۔ ۲ ، ص ۷۸، ۸۱ ، ۱۵۶ ۔ ۱۵۷ ۔
Also see Fazlur Rahman, Islam, London, 1966, P. 133.
صوفیانہ لطائف اور ,,اسرائیلیات ،، کے نکتہ اتصال کی یک اچھی مثال حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریہ کی بیوی کی داستان کا ذکر ہے جو سید محمد گیسو دراز کی ملفوظات جوامع الکلم میں دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو جوامع الکلم مرتبہ سید محمد اکبر حسینی ۔ مخطوطہ برٹش میوزیم شمارہ ، ۲۵۲ or، ورق ۱۲۶ الف و ب ۔

۲ ۔ ابوالقاسم قشیری ۔ رسالہ قشیریہ ترجمہ فارسی ۔ باتصحیحات بدیع الزمان فروزانفر تہران ۔ ۱۳۳۵ شمسی ۱۹۶۷ ، ص ۳۰۳ ۔ ۳۰۵ ۔ اردو ترجمہ اسلام آباد ۱۹۸۳ء (مترجم ڈاکٹر پیر حسن) قدرے مختلف ہے۔ اس مضمون میں قشیریہ کا اردو ترجمہ دیتے وقت فارسی ترجمہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور بیشتر اسی پر انحصار کیا گیا ہے۔

٣ ـ ترجمہ رسالہ قشیریہ (فارسی) ص ٣٥٩ ـ ٣٦٠

٤ ـ سیر محمدی مولفہ محمد علی سامانی مخطوطہ فارسی نیشنل میوزیم کراچی ـ شمارہ ٢٦٧ ـ ١٩٧٠ء این ـ ایم ورق ٢٧ الف و ب

٥ ـ جوامع الکلم (ملفوظات سید گیسو دراز) مرتبہ سید محمد اکبر حسینی ـ مخطوطہ فارسی برٹش میوزیم شمارہ ٢٥٢ ـ or ورق ٢٠٠ الف و ب ـ

٦ ـ ترجمہ رسالہ قشیریہ (فارسی) ص ٣٦٣ ـ ٣٦٤

٧ ـ خواجہ عبداللہ انصاری ہروی، طبقات الصوفیہ ـ تصحیح جیبی ـ کابل ١٣٤١ ش ـ ص ٣٧

٨ ـ غزالی ـ احیاء العلوم (اردو ترجمہ) جلد چہارم مکتبہ رحمانیہ لاہور ـ سال ندارد ص ٣٥٤

٩ ـ شیخ شہاب الدین سہروردی ـ عوارف المعارف، اردو ترجمہ ـ مدینہ پبلیشنگ کمپنی کراچی ١٩٧٧ء ص ٣٠٠

10. Muhammad Saleem Akhtar (Editor), Kalimat al-Sadiqin of Muhammad Sadiq Dihlawi, Lahore, 1988. Editor's Introduction, PP. 83-85.

١١ ـ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ـ اخبار الاخیار، مطبع مجتبائی دہلی، ١٩١٤/١٣٣٢ء ص ٢٧

١٢ ـ الہ دیا چشتی ـ سیر الاقطاب ـ مطبع نولکشور لکھنو ـ ١٣٣١/١٩١٣ء ص ١٨٩

١٣ ـ سید صباح الدین عبدالرحمن ـ بزم صوفیہ ـ طبع سوم ـ اعظم گڑھ ١٩٧٩ء ص ٢٨٥ ـ ٢٨٦

١٤ ـ ترجمہ رسالہ قشیریہ (فارسی) ص ٦٧٢

١٥ ـ شیخ ابونصر سراج ـ کتاب اللمع فی التصوف ـ اردو ترجمہ از سید اسرار بخاری ـ اسلامک بک فاؤنڈیشن ـ لاہور ١٩٨٤ء ص ٥٢١

١٦ ـ حمید قلندر ـ خیر المجالس ـ باتصحیح خلیق احمد نظامی ـ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ١٩٥٩ء ص ٢٥٧

17. Simon Digby, 'Qalandars and Related Groups (in the ...Dehli Sultanate of the Thirteenth and Fourteenth Centuries)' in Islam in Asia, The Harry S. Truman Institute for the Advancement of Peace, 1984, Vol. I, P. 81.

١٧(الف) ـ غزالی ـ کیمیائی سعادت، تہران، خرداد ١٣٦٤ ـ ص ٦٠٠

١٨ ـ خیر المجالس ص ٢٠٢

19. Khaliq Ahmad Nizami, The Life and Times of Shaikh Farid-Uddin Ganj-i-Shakar, Aligarh, 1955, PP. 51-52.

٢٠ ـ خیر المجالس ص ١٨٢

٢١ ـ خیر المجالس ص ٢٠٣ ـ ٢٠٢

٢٢ ـ فوائد الفواد مرتبہ خواجہ حسن دہلوی ـ باتصحیح محمد لطیف ملک ـ لاہور ١٩٦٦ء، ص ٨٧ ـ ٨٩.

٢٣ ـ ترجمہ رسالہ قشیریہ (فارسی) ص ٥٦٨ ـ ٥٦٩

٢٤ ـ فوائد الفواد ص ٢٣٦

٢٥ ـ محمد غوثی شطاری مانڈوی ـ اذکار ابرار اردو ترجمه گلزار ابرار ـ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ١٣٩۵/١٩۷۵ ـ ص ١۵۵ ـ ١۵۷

٢٦ ـ ملاحظه ہو جہانگیر نامه (توزک جہانگیری) به کوشش محمد ہاشم ـ بنیاد فرہنگ ایران ١٣۵٩ شمسی ـ ص ٩۷ ـ یه واقعه ١٢ محرم ١٠١٩ ہجری مطابق ٢۷ مارچ ١٦١٠ کو رونما ہوا ـ

٢۷ ـ ابو عبدالرحمن سلمی ، ملامتیان وصوفیان و جوانمردان (ترجمه فارسی) ، تصحیح دکتور ابوالعلا عفیفی ـ کابل ١٣۴۴ ـ ص ۵۷

Also see Fazlur Rahman, *Islam,* London, 1966, PP. 133-134, for the Sufis' invention of 'fanciful' and 'fictitious' hadithes.

٢٨ ـ سراج الہدایه (ملفوظات حسین جلال الدین مخدوم جہانیان جہان گشت) مرتبه قاضی سجاد حسین ـ نئی دہلی ١٩٨٣ء پیش لفظ ص ١٢ ـ ١٣

٢٩ ـ ترجمه رساله قشیریه (فارسی) ص ١٨۷ ـ ١٨٨

٣٠ ـ ترجمه رساله قشیریه (فارسی) ص ١٣۷

٣١ ـ سید محمد بن مبارک علوی کرمانی معروف به ,,میر خورد ،، سیرالاولیا ـ مؤسسه انتشارات اسلامی ، لاہور ـ ص ١٣۵

٣٢ ـ ضیاء الدین برنی ـ تاریخ فیروز شاہی ـ بتصحیح سید احمد خان ـ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکته ١٨٦٢ ـ ص ٣٦٦

٣٣ ـ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ـ اخبار الاخیار فی اسرار الابرار ـ مطبع مجتبای دہلی ١٣٣٢ ١٩١۴ ص ۵٨

٣۴ ـ سید صباح الدین عبدالرحمن ـ بزم صوفیه ـ دارالمصنفین اعظم گڑھ طبع سوم ١٩۷٩ء مضمون محوله کتاب کے ضمیمه میں صفحات ٦٣١ ـ ٦٩٦٦ پر دیا گیا ہے ـ

35. Muhammad Habib, 'Chishti Mystic Records of the Sultanate Period', in *Politics and Society during the Early Medieval Period,* being the Collected works of Professor Muhammad Habib, Vol. I, Edited by Prof. K.A. Nizami, New Delhi, 1974. The article referred to occurs on PP. 385-433. It appeared originally in *Medieval India Quarterly,* Aligarh Vol. I, No. 2, October 1950.

36. 'Ali b. 'Uthman al-Hujwiri, *Kahsf al-Mahjub,* tr. R.A. Nicholson Islamic Book Foundation, Lahore, 1976. PP. 358-59.

٣۷ ـ خیر المجالس ـ ص ٢٠٠ ـ ٢٠١

٣٨ ـ جوامع الکلم ـ نسخه برٹش میوزیم ـ ورق ٣٢ الف و ب

٣٩ ـ پروفیسر محمد اسلم ,,الدر المنظوم کی تاریخی ، مذہبی اور سماجی اہمیت،، ، اقبال ریویو ، جولائی ١٩٨۴ء ، ص ١٣۴ بحواله الدر المنظوم ، ملتان ١٣۷۷ ھ ، ص ١٣٣ ـ